

مقالات

سود میں نئے مباحث کا اضافہ

(قسط ۵)

(از مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی)

حرمت سود (ایجابی پہلو)

یہاں تک جو کچھ بحث ہم نے کی ہے اس سے تو صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ سود نہ تو کوئی مقول چیز ہے، نہ وہ انصاف کا تقاضا ہے، نہ وہ کوئی معاشی ضرورت ہے، اور نہ اس میں فی الحقیقت فائدے کا کوئی پہلو ہے۔ لیکن سود کی حرمت صرف ان منفی اسباب ہی پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ قطعی طور پر ایک نقصان دہ چیز ہے، اور بہت سے پہلوؤں سے بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔

اس باب میں ہم ایک ایک کر کے ان نقصانات کا تفصیلی جائزہ لیں گے تاکہ کسی مقول آدمی کو اس ناپاک چیز کی حرمت میں ذرہ برابر بھی شبہ باقی نہ رہ جائے۔

سود کے اخلاقی و روحانی نقصانات | سب سے پہلے اخلاق و روحانیت کے نقطہ نظر سے دیکھئے کیونکہ اخلاق اور روح ہی اصل جوہر انسانیت ہے اور اگر کوئی چیز ہمارے اس جوہر کو نقصان پہنچانے والی ہو تو بہر حال وہ قابلِ ترک ہے خواہ کسی دوسرے پہلو سے اس میں کتنے ہی فوائد ہوں۔ اب اگر آپ سود کا نفسیاتی تجزیہ کریں گے تو آپ کو بیک نظر معلوم ہو جائیگا کہ روپیہ جمع کرنے کی خواہش سے لے کر سودی کاروبار کے مختلف مرحلوں تک پورا ذہنی عمل خود غرضی، بخل، تنگ دلی، بخل، اور زبردستی جیسی صفات کے زیر اثر شروع ہوتا ہے، اپنی صفات کے زیر اثر جاری رہتا ہے، اور جتنا جتنا آدمی اس کاروبار میں آگے بڑھتا جاتا ہے، یہی صفات اس کے اندر نشوونما پاتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے برعکس زکوٰۃ، صدقات کی ابتدائی نیت سے لے کر اس کے عملی فہم و تک پورا ذہنی عمل قیاضی، ایثار، ہمدردی، فراخ دلی، عالی ظرفی اور خیر اندیشی جیسی صفات کے زیر اثر واقع ہوتا ہے اور اس طریق کار پر مسلسل عمل کرتے رہنے سے یہی صفات انسان کے اندر نشوونما

باقی ہیں۔ کیا کوئی انسان دنیا میں ایسا ہے جس کا دل یہ شہادت نہ دیتا ہو کہ اخلاقی صفات کے ان دونوں مجموعوں میں سے پہلا مجموعہ بدترین اور دوسرا مجموعہ بہترین ہے؟

تمدنی و اجتماعی نقصانات | تمدنی حیثیت سے دیکھیے۔ ایک ذرا سے غور و خوض سے یہ بات ہر شخص کی سمجھ میں آسانی آ سکتی ہے کہ جس معاشرے میں افراد ایک دوسرے کے ساتھ خود غرضی کا معاملہ کریں، کوئی اپنی ذاتی غرض اور اپنے ذاتی فائدے کے بغیر کسی کے کام نہ آئے، ایک کی حاجت مندی دوسرے کے لئے نفع اندوزی کا موقع نہ بن جائے اور مالدار طبقوں کا مفاد نادار طبقوں کے مفاد کی ضد ہو جائے، ایسا معاشرہ کبھی مستحکم نہیں ہو سکتا۔ اس کے اجزاء ہمیشہ انتشار و پراگندگی ہی کی طرف مائل رہیں گے۔ اور اگر دوسرے اسباب بھی اس صورت حال کے لئے مددگار بن جائیں تو ایسے معاشرے کے اجزاء کا باہم تصادم ہو جانا بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس کے برعکس جس معاشرے کا اجتماعی نظام آپس کی ہمدردی پر مبنی ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کریں، جس میں ہر شخص دوسرے کی احتیاج کے موقع پر فراخ دلی کے ساتھ مدد کا ہاتھ بڑھائے، اور جس میں مالدار لوگ نادار لوگوں کے ساتھ ہمدردانہ اعانت، یا کم از کم منصفانہ تعاون کا طریقہ برتیں، ایسے معاشرے میں آپس کی محبت اور خیر خواہی اور دلچسپی نشوونما پائیگی۔ اس کے اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ اور ایک دوسرے کے پشتیبان ہوں گے۔ اس میں اندرونی نزاع و تصادم کو راہ پانے کا موقع نہ مل سکیگا۔ اس میں باہمی تعاون اور خیر خواہی کی وجہ سے ترقی کی رفتار پہلے معاشرے کی بہ نسبت بہت زیادہ تیز ہوگی۔

ایسا ہی حال بین الاقوامی تعلقات کا بھی ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ فیاضی و ہمدردی کا معاملہ کرے اور اس کی مصیبت کے وقت کھلے دل سے مدد کا ہاتھ بڑھائے۔ ممکن نہیں ہے کہ دوسری طرف سے اس کا جواب محبت اور شکر گزاری اور مخلصانہ خیر خواہی کے سوا کسی اور صورت میں برآمد ہو۔ اس کے برعکس وہی قوم اگر اپنی ہمسایہ قوم کے ساتھ خود غرضی و تنگ دلی کا برتاؤ کرے اور اس کی مشکلات کا ناجائز فائدہ اٹھائے تو ہو سکتا ہے کہ مال کی صورت میں بہت کچھ نفع اس سے حاصل کرے، لیکن یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے کہ پھر اپنے اس شائلاک قسم کے ہمسایہ کے لئے اس قوم کے دل میں کوئی اخلاص اور محبت اور خیر خواہی باقی رہ جائے۔ ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری، پچھلی جنگ عظیم کے زمانہ کی بات ہے کہ انگلستان نے امریکہ سے ایک بھاری قرض کا معاملہ طے کیا جو در

کے نام سے مشہور ہے۔ انگلستان چاہتا تھا کہ اس کا خوشحال دست جو اس لڑائی میں اس کا رفیق بھی تھا، اسے بلا سوغرض

دے دے۔ لیکن امریکہ سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوا اور انگلستان اپنی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہو گیا کہ سود دینا قبول کرے۔ اس کا جو اثر انگریزی قوم پر مرتب ہوا وہ اُن تقریروں اور تحریروں سے معلوم ہو سکتا ہے جو اس زمانہ میں انگلستان کے مدیرین اور اخبار نویسوں کی زبان اور قلم سے نکلیں۔ مشہور ماہر معاشیات لارڈ کینز انجہانی جنہوں نے انگلستان کی طرف سے یہ معاملہ طے کیا تھا، جب اپنے مشن کو پورا کر کے پلٹے تو انہوں نے برطانوی دارالامراہ میں اس پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ میں تمام عمر اس رنج کو نہ بھولوں گا جو مجھے اس بات سے ہوا کہ امریکی نے ہم کو بلا سود فرس دینا گوارا نہ کیا۔ سٹرچر پی بیٹے زبردست امریکہ پسند شخص نے کہا کہ یہ بیبیہ پن کا بڑا وجوہ ہمارے ساتھ ہوا ہے مجھے اس کی گہرائی میں بڑی خطرات نظر آتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کا ہمارے باہمی تعلقات پر بہت ہی برا اثر پڑے گا۔ اُس وقت کے وزیر خزانہ ڈاکٹر ڈالٹن نے پارلیمنٹ میں اس معاملے کو منظوری کے لئے پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھاری بوجھ جسے لادے ہم نے ہم جنگ سے نکل رہے ہیں ہماری اُن قربانیوں اور جنگیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے جو ہم نے مشترک مقصد کے لئے برداشت کیں۔ اس نرے ستم ظریفانہ انعام پر آئندہ زمانہ کے مورخین ہی کچھ بہتر رائے زنی کر سکیں گے۔۔۔۔۔ ہم نے درخواست کی تھی کہ ہم کو قرض حسن دیا جائے مگر جواب میں ہم سے کہا گیا کہ یہ غلطی یا سست نہیں ہے۔ یہ سود کا فطری اثر اور اس کا لازمی نفسیاتی رد عمل ہے جو ہمیشہ ہر حال میں رونما ہو گا خواہ ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ یہ معاملہ کرے یا ایک شخص دوسرے شخص کے ساتھ۔ انگلستان کے لوگ یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے اور آج بھی وہ سے نہیں مانتے کہ انفرادی معاملات میں سودی لین دین کوئی بری چیز ہے۔ آپ کسی انگریز سے بلا سودی قرض کی بات کریں۔ وہ فوراً آپ کو جواب دے گا کہ بناب یہ عملی کاروبار (Practical Business) کا طریقہ نہیں ہے۔ لیکن جب اس کی قومی مصیبت کے موقع پر اس کی ہر ایہ قوم نے اس کے ساتھ یہ عملی کاروبار کا طریقہ بڑا دھرا نگر زیرِ چٹھا اٹھا اور اس نے تمام دنیا کے سامنے اس حقیقت پر گواہی دی کہ سود دونوں کو بھارتی نے دلی اور تعلقات کو خراب کرنے والی چیز ہے۔

معاشی و تجارتی بات | اب ان کے معاشی پہلو پر نگاہ ڈالیے۔ سود کا تعلق معاشی زندگی کے اُن معاملات سے ہے جن میں کسی نہ کسی طرح پر قرض کا لین دین ہوتا ہے۔ قرض مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ ایک قسم کے قرضے وہ ہیں جو تجارتی سود پر ذاتی ضروریات کے لئے لیتے ہیں۔ دوسری قسم کے قرضے وہ ہیں جو تاجر اور صنعت اور زمیندار اپنے نفع اور

کاموں میں استعمال کرنے کے لئے لیتے ہیں۔ تیسری قسم ان قرضوں کی ہے جو حکومتیں اپنے اہل ملک سے لیتی ہیں، اور ان کی نوعیتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض قرضے غیر نفع اور اغراض کے لئے ہوتے ہیں مثلاً جنگی قرضے۔ اور بعض نفع اور اغراض کے لئے ہوتے ہیں مثلاً وہ جو نہریں اور ریلیں اور برقی آبی کی اسکیمیں جاری کرنے کے لئے حاصل کیے جاتے ہیں۔ چوتھی قسم ان قرضوں کی ہے جو حکومتیں اپنی ضروریات کی خاطر غیر ممالک کے بازار زر سے لیتی ہیں۔ ہم ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ لے کر دیکھیں گے کہ اس پر سود عائد ہونے کے نقصانات کیا ہیں۔

اہل حاجت کے قرضے | دنیا میں سب سے بڑھ کر سود خواری اس کا روبا میں ہوتی ہے جو مہاجنی کا روبا

(Lending Business) کہلاتا ہے۔ بلاشبہ یہ عظیم ہند تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ایک عالمگیر بلا ہے جس سے دنیا کا کوئی ملک بچا ہوا نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی یہ انتظام نہیں ہے کہ غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں کو ان کی ہنگامی ضروریات کے لئے آسانی سے قرض مل جائے اور بلا سود نہیں تو کم از کم تجارتی سود ہی پر نصیب ہو جائے۔ حکومت اسے اپنے فرائض سے خارج سمجھتی ہے۔ سوسائٹی کو اس ضرورت کا احساس نہیں۔ بینک صرف ان کاموں میں ہاتھ ڈالتے ہیں جن میں ہزاروں لاکھوں کے واسطے نیارے ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک قلیل المعاش آدمی اپنی کسی فردی ضرورت کے لئے بینک تک پہنچ سکے اور اس سے قرض حاصل کر سکے۔ ان وجوہ سے مزدور، کسان، چھوٹے چھوٹے کاروباری آدمی، کم تنخواہوں والے ملازم اور عام غریب لوگ ہر ملک میں مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے برے وقت پر ان مہاجنوں سے قرض لیں جو اپنی بستیوں کے قریب ہی ان کو گدھ کی طرح شکار کی تلاش میں منڈلاتے ہوئے مل جاتے ہیں۔ اس کا روبا میں اتنی بھاری شرح سود رائج ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ سودی قرض کے جال میں پھنس جاتا ہے وہ پھر اس سے نہیں نکل سکتا، بلکہ داوا کا لیا ہوا قرض پوتوں تک وراثت میں منتقل ہوتا چلا جاتا ہے اور اصل سے کئی گنا سود ادا کر چکنے پر بھی اس قرض کی چٹان جوں کی توں آدمی کے سینے پر دھری رہتی ہے۔ پھر بار بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر قرض دار کچھ مدت تک سود ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو چڑھے ہوئے سود کی رقم کو اصل میں شامل کر کے وہی مہاجن اپنا ہی قرض و سود وصول کرنے کے لئے اسی شخص کو ایک اور بڑا قرض زیادہ شرح سود پر دے دیتا ہے اور وہ غریب پہلے سے زیادہ زیر بار ہو جاتا ہے۔ انگلستان میں اس کا روبا کی کم سے کم شرح سود ۴ فی صدی سالانہ ہے جو اوروپے قانون دولائی جاتی ہے۔ لیکن عام شرح جس پر وہاں یہ کاروبا چل رہا ہے ۲۵۰ سے ۴۰۰ فی صدی

سالانہ تک ہے اور ایسی مثالیں بھی پائی گئی ہیں جن میں بارہ تیرہ سو فی صدی سالانہ پر معاملہ ہوا ہے۔ امریکہ میں مہاجرین کے لئے قانونی شرح سود ۳۰ سے ۶۰ فی صدی سالانہ تک ہے، لیکن ان کا عام کاروبار ۱۰۰ سے ۲۰۰ فی صدی تک سالانہ شرح پر ہو رہا ہے اور بارہا یہ شرح ۸۰ فی صدی تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ خود ہمارے اس بڑے بڑے نیک طبع ہے وہ ہاجن جو کسی غریب کو ۴۸ فی صدی سالانہ پر قرض دے دے، اور نہ عام شرح ۵، فی صدی سالانہ ہے جو بارہا ۵۰ فی صدی تک بھی پہنچ جاتی ہے، بلکہ ۳۰۰ اور ۳۵۰ فی صدی سالانہ شرح کی مثالیں بھی پائی گئی ہیں۔

یہ وہ بلائے عظیم ہے جس میں ہر ملک کے غریب اور متوسط الحال طبقوں کی بڑی اکثریت بڑی طرح پھنسی ہوئی ہے۔ اسکی وجہ سے قبیل المعاش کارکنوں کی آمدنی کا بڑا حصہ ہاجن لے جاتا ہے۔ شب و روز کی ان تھک محنت کے بعد جو تھوڑی سی تنخواہیں یا مزدوریاں ان کو ملتی ہیں ان میں سے سود ادا کرنے کے بعد ان کے پاس اتنا بھی نہیں بچتا کہ وہ دو وقت کی روٹی چلا سکیں۔ یہ چیز صرف یہی نہیں کہ ان کے اخلاق کو بگاڑتی اور انہیں جرائم کی طرف دھکیلتی ہے اور صرف یہی نہیں کہ ان کے معیار زندگی کو پست اور ان کی اولاد کے معیار تعلیم و تربیت کو پست کر دیتی ہے، بلکہ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ دائمی فکر اور پریشانی ملک کے عام کارکنوں کی قابلیت کار کو بہت گھٹا دیتی ہے اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کی محنت کا پھل دوسرے اڑتا ہے تو اپنے کام سے ان کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے سودی کاروبار کی یہ قسم صرف ایک ظلم ہی نہیں ہے بلکہ اس میں اجتماعی معیشت کا بھی بڑا بھاری نقصان ہے۔ یہ کیسی عجیب حماقت ہے کہ جو لوگ ایک قوم کے اصل عاملین پیدائش ہیں اور جن کی محنتوں ہی سے وہ ساری دولت پیدا ہوتی ہے جس پر قوم کی اجتماعی خوشحالی کا مدار ہے، قوم ان پر بہت سی جو نیکیں مسلط کیے رکھتی ہے جو ان کا خون چوس چوس کر ان کو نڈھال کرتی رہتی ہیں۔ تم حساب لگاتے ہو کہ پیریا سے اتنے لاکھ عملی گھنٹوں کا نقصان ہو جاتا ہے اور اسکی وجہ سے ملک کی معاشی پیداوار میں اتنی کمی واقع ہوتی ہے۔ اس بنا پر تم مجھروں پر پل پڑ ہو اور ان کا قلع قمع کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ لیکن تم اس کا حساب یہیں لگاتے کہ تمہارے سود خوار ہاجن تمہارے لاکھوں کارکنوں کو کتنا پریشان، کتنا بد دل اور کتنا افسردہ کرتے رہتے ہیں، کس قدر ان کے جذبہ عمل کو سرد اور ان کی قوت کار کو کم کر دیتے ہیں، اور اس کا کتنا برا اثر تمہاری معاشی پیداوار پر مرتب ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں تمہارے التفات معکوس کا حال یہ ہے کہ تم ان ہاجنوں کا قلع قمع کرنے کے بجائے ان کے قرض داروں کو کپڑے

ہو اور جو خون ہمارا جن خود ان کے اندر سے نہیں سونت سکتا اسے تمہاری عدالتیں نچوڑ کر ہمارے عوام کو دیتی ہیں۔ اس کا وہ سراسر معاشی نقصان یہ ہے کہ اس طرح غریب بٹتے کی یہی سہی قوت خریداری بھی سود و خوار سا ہو گا۔ چھین لے جاتا ہے۔ لاکھوں آدمیوں کی بے روزگاری، اور کروڑوں آدمیوں کی ناکافی آمدنی پہلے ہی تجارت و صنعت کے فروغ میں مانع تھی۔ اس پر تم نے اچھی آمدنیاں رکھنے والوں کو یہ راستہ دکھایا کہ وہ خرچ نہ کریں بلکہ زیادہ سے زیادہ رقم پس انداز کیا کریں۔ اس سے کاروبار کو ایک نقصان اور پہنچا۔ اب اس سب پر مستزاد یہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں غریب آدمیوں کو ناکافی تنخواہوں اور مزدوریوں کی شکل میں جو تھوڑی بہت قوت خریداری حاصل ہو جاتی ہے اس کو بھی وہ اپنی ضروریات زندگی خریدنے میں استعمال نہیں کرنے پاتے۔ بلکہ اس کا ایک بڑا حصہ سود کاران سے چھین لیتا ہے اور اس کو شیا اور خدمات کی خریداری پر صرف کرنے کے بجائے سود سٹائی کے سر پر مزید سود طلب قرض چڑھانے میں استعمال کرتا ہے۔ ذرا حساب لگا کر دیکھئے۔ اگر دنیا میں ۵ کروڑ آدمی بھی ایسے ہیں جو ہمارے جنور کے پسند سے میں پھنسے ہوئے ہیں، اور وہ اوسطاً ۱۰ روپے ہینے سود ادا کر رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ہینے ۵۰ کروڑ روپے کا مال فروخت ہونے سے رہ جاتا ہے اور اتنی بھی رقم معاشی پیداوار کی طرف پلٹنے کے بجائے مزید سودی قرضوں کی تخلیق میں۔ وہ باہ صرف ہوتی رہتی ہے۔

کاروباری قرض | اب دیکھئے کہ جو قرض تجارت و صنعت اور دوسری کاروباری اغراض کے لئے لیا جاتا ہے اس پر سود کو جائز قرار دینے کے معاشی نقصانات کیا ہیں۔ صنعت، تجارت، زراعت اور دوسرے تمام معاشی کاموں کی بہتری یہ چاہتی ہے کہ جتنے لوگ بھی کسی کاروبار کے چلانے میں کسی طور پر حصہ لے رہے ہوں ان سب کے مفاد اغراض اور دلچسپیاں اس کام کے فروغ سے وابستہ ہوں۔ اس کا نقصان سب کا نقصان ہوتا کہ وہ اس کے خطرے سے بچنے کی کوشش نہ کریں اور اس کا فائدہ سب کا فائدہ ہوتا کہ وہ اس کو بڑھانے میں اپنی پوری طاقت صرف

۱۵۔ اس جگہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۴۵ء قبل تقسیم کے ہندوستان کے متعلق اندازہ کیا گیا تھا کہ اس ملک کے ماحولی قرضے کم از کم ۱۵ روپے تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہ صرف ایک ملک کا حال ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیا میں اس نوعیت کے قرضوں کی مجموعی مقدار کیا ہوگی اور جو شرح سود اس کاروبار میں رائج ہے اس کے لحاظ سے مائتہ کس قدر سود ہمارے جنور کے پاس پہنچتا ہوگا۔

کر دیں۔ اس لحاظ سے معاشی مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ جو لوگ کاروبار میں دماغی یا جسمانی کارکن کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف سرمایہ فراہم کرنے والے فریق کی حیثیت سے شریک ہوں ان کی شرکت بھی اسی نوعیت کی ہو تاکہ وہ کاروبار کی بھلائی برائی سے وابستہ ہوں اور وہ اس کے فروغ میں اور اس کو نقصان سے بچانے میں پوری دلچسپی لیں۔ مگر جب قانون نے سود کو جائز کر دیا تو صاحب سرمایہ لوگوں کے لئے یہ راستہ کھل گیا کہ وہ اپنا سرمایہ شریک اور حصہ دار کی حیثیت سے کاروبار میں لگانے کے بجائے دائن کی حیثیت سے بصورت قرض دیں اور اس پر ایک مقرر شرح کے مطابق اپنا منافع وصول کرتے رہیں۔ اس طرح سوسائٹی کے معاشی عمل میں ایک ایسا نرالا غیر فطری عامل آ کر مل جاتا ہے جو تمام عاملین پیدائش کے برعکس اس پورے عمل کی بھلائی برائی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ اس عمل میں نقصان آ رہا ہو تو سب کے لئے خطرہ ہے مگر اس کے لئے نفع کی گارنٹی ہے، اس لئے سب تو نقصان کو رد کرنے کی کوشش کریں گے، مگر یہ اس وقت تک فکر مند نہ ہوگا جب تک کہ کاروبار کا بالکل ہی دیوانہ نہ بھٹکے لگے نقصان کے موقع پر یہ کاروبار کو بچانے کے لئے مدد کو نہیں دے گا بلکہ اپنے مالی مفاد کو بچانے کے لئے اپنا دیا ہوا روپیہ بھی کھینچ لینا چاہے گا۔ اسی طرح معاشی پیداوار کے عمل کو فروغ دینے سے بھی بڑا راستہ اسے کوئی دلچسپی نہ ہوگی کیونکہ اس کا نفع تو بہر حال مقرر ہے، پھر آخر وہ کیوں اس کام کی ترقی و کامیابی کے لئے اپنا سر کھپائے؟ غرض سوسائٹی کے نفع اور نقصان سے بے تعلق ہو کر یہ عجیب قسم کا معاشی عامل انگ بیٹھا ہوا عزت اپنے سرمایہ کو گرایہ پر چلاتا رہتا ہے اور بے کھٹکے اپنا مقرر گرایہ وصول کرتا رہتا ہے۔

اس غلط طریقہ نے سرمایہ دار کاروبار کے درمیان رفاقت اور ہمدردانہ تعاون کے بجائے ایک بہت ہی بری طرح کا خود غرضانہ تعلق قائم کر دیا ہے۔ جو لوگ بھی روپیہ جمع کرنے اور معاشی پیداوار کے کام پر نکلنے کے مواقع رکھتے ہیں وہ اس روپے سے نہ خود کوئی کاروبار کرتے ہیں، نہ کاروبار کرنے والوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، بلکہ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان کا روپیہ ایک مقررہ منافع کی ضمانت کے ساتھ قرض کے طور پر کام میں لگے، اور پھر وہ مقررہ منافع بھی زیادہ سے زیادہ شرح پر ہو۔ اس کے بے شمار نقصانات میں سے چند نمایاں ترین یہ ہیں:-

(۱) سرمایہ کا ایک معتد بہ حصہ، اور بسا اوقات بڑا حصہ محض شرح سود چڑھنے کے انتظار میں رکھا رہتا

ہے اور کسی مفید کام میں نہیں لگتا۔ باوجودیکہ قابل استعمال وسائل بھی دنیا میں موجود ہوتے ہیں، روزگار کے طالب آدمی بھی کثرت سے مارے مارے پھر رہے ہوتے ہیں، اور اشیاء ضرورت کی مانگ بھی موجود ہوتی ہے، لیکن یہ سب کچھ ہوتے ہوئے نہ وسائل استعمال ہونے ہیں، نہ آدمی کام پر لگتے ہیں اور نہ منڈیوں میں حقیقی طلب کے مطابق مال کی کھپت ہوتی ہے، صرف اس لئے کہ سرمایہ خارج شرح سے فائدہ لینا چاہتا ہے اس کے ملنے کی اسے توقع نہیں ہوتی اور اس بنا پر وہ کام میں لگانے کے لئے روپیہ نہیں دیتا۔

(۲) زیادہ شرح سود کا لالچ ہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر سرمایہ دار طبقہ کاروبار کی طرف سرمایہ کے بہاؤ کو خود کاروبار کی حقیقی ضرورت اور طبعی مانگ کے مطابق نہیں بلکہ اپنے مفاد کے لحاظ سے روکتا اور کھولتا رہتا ہے۔ اس کا نقصان کچھ اسی طرح کا ہے جیسے کوئی نہر کا مالک کھیتوں اور باغوں کی مانگ اور ضرورت کے مطابق پانی نہ کھولے اور نہ بند کرے، بلکہ اپنے پانی کے کھولنے اور بند کرنے کا ضابطہ یہ بنا لے کہ جب پانی کی ضرورت نہ ہو تو وہ بے تحاشا پانی بڑے سستے داموں چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائے، اور جو نہی کہ پانی کی مانگ بڑھنی شروع ہو وہ اس کے ساتھ ساتھ پانی کی قیمت چڑھاتا چلا جائے یہاں تک کہ اس قیمت پر پانی لے کر کھیتوں اور باغوں میں لگانا کچھ بھی نفع بخش نہ رہے۔

(۳) سود اور اس کی شرح ہی وہ چیز ہے جس کی بدولت تجارت و صنعت کا نظام ایک ہموار طریقہ سے چلنے کے بجائے تجارتی چکر کی اُس پیاسی میں مبتلا ہوتا ہے جس میں اُس پر بار بار کسادبازاری کے دوسے پڑتے ہیں۔ اس کی تشریح ہم پہلے کر چکے ہیں اس لئے یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔

(۴) پھر یہ بھی اسی کا کرشمہ ہے کہ سرمایہ اُن کاموں کی طرف جانے کے لئے راضی نہیں ہوتا جو مصالح عامہ کے لئے مفید اور ضروری ہیں مگر مالی لحاظ سے اتنے نفع بخش نہیں ہیں کہ بازار کی شرح سود کے مطابق فائدہ دے سکیں اس کے برعکس وہ غیر ضروری مگر زیادہ نفع آور کاموں کی طرف نہ نکلتا ہے اور ادھر بھی وہ کارکنوں کو مجبور کرتا ہے کہ شرح سود سے زیادہ کمانے کے لئے ہر طرح کے بھلے اور برے اور صحیح و غلط طریقے استعمال کریں۔ اس نقصان کی تشریح بھی ہم پہلے کر آئے ہیں اس لئے اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔

(۵) سرمایہ دار لمبی مدت کے لئے سرمایہ دینے سے پہلو تہی کرتے ہیں، کیونکہ ایک طرف وہ سٹہ بازی کے لئے اچھا خاصہ سرمایہ ہر وقت اپنے پاس قابل استعمال رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف انہیں یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ اگر آئندہ کبھی شرح سود زیادہ چڑھی تو ہم اس وقت کم سود پر زیادہ سرمایہ بھنسا دینے سے نقصان میں رہیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اہل صنعت و حرفت بھی اپنے سارے کاروبار میں تنگ نظری و کم حوصلگی کا طریقہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور متقل بہتری کے لئے کچھ کرنے کے بجائے بس چلتا کام کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ مثلاً ایسے قلیل المدت سرمایہ کو لے کر ان کے لئے یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ اپنی صنعت کے لئے جدید ترین آلات اور مشینیں خریدنے پر کوئی بڑی رقم خرچ کر دیں۔ بلکہ وہ پرانی مشینوں ہی کو گھس گھس کر بھلا براتال مارکیٹ میں پھینکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تاکہ قرض و سود ادا کر سکیں اور کچھ اپنا منافع بھی پیار کر لیں۔ اسی طرح یہ بھی ان قلیل المدت قرضوں ہی کی بہت ہے کہ منڈی سے مال کی مانگ کم آتے دیکھ کر فوراً ہی کارخانہ دار مال کی پیداوار گھٹا دیتا ہے اور ذرا سی دیر کے لئے بھی پیداوار کی رفتار کو طی حالہ برقرار رکھنے کی ہمت نہیں کر سکتا، کیونکہ اسے خطرہ ہوتا ہے کہ اگر بازار میں مال کی قیمت گر گئی تو وہ پھر بالکل دیوالہ کی سرحد پر پہنچے گا۔

(۶) پھر جو سرمایہ بڑی صنعتی و تجارتی اسکیموں کے لئے لمبی مدت کے واسطے ملتا ہے اس پر بھی ایک خاص شرح کے مطابق سود خاند ہونا بڑے نقصانات کا موجب ہوتا ہے۔ اس طرح کے قرضے بعوم دس، بیس یا تیس سال کے لئے حاصل کئے جلتے ہیں اور اس پوری مدت کے لئے ابتدا ہی میں ایک خاص فی صدی سالانہ شرح سود ملے ہو جاتی ہے۔ اس شرح کا تعین کرتے وقت کوئی لحاظ اس امر کا نہیں کیا جاتا، اور جب تک فریقین کو علم غیب نہ ہو کیا جا بھی نہیں سکتا، کہ آئندہ دس بیس یا تیس سال کے دوران میں قیمتوں کا اتار چڑھاؤ کیا شکل اختیار کرے گا اور قرض لینے والے کے لئے نفع کے امکانات کس حد تک کم یا زیادہ ہوں گے یا بالکل نہ رہیں گے۔ فرض کیجئے کہ آج ایک شخص ۲۰ سال کے لئے، فی صدی شرح سود پر ایک بھاری قرض حاصل کرتا ہے اور اس سے کوئی بڑا کام شروع کرتا ہے۔ اب وہ مجبور ہے کہ سٹہ تک ہر سال باقاعدگی کے ساتھ ایک ملے شدہ حساب سے اصل کی اقساط اور سود ادا کرتا رہے۔

لیکن اگر مشرک تک پہنچتے پہنچتے قیمتیں گر کر موجودہ نرخ سے آدھی رہ جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ شخص جسب تک موجودہ حالت کی نسبت اُس وقت دو گنا مال نہ بیچے وہ نہ اس رقم کا سود ادا کر سکتا ہے اور نہ قسط۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اُس انداز کے دور میں یا تو اس قسم کے اکثر قرض داریوں کے دیوالیے نکل جائیں یا وہ دیوالے سے بچنے کے لئے معاشی نظام کو خراب کرنے والی ناجائز حرکات میں سے کوئی حرکت کریں۔ اس معاملہ پر اگر غور کیا جائے تو کسی معقول آدمی کو اس امر میں کوئی شک نہ رہے گا کہ مختلف زمانوں میں چڑھتی اور گرتی ہوئی قیمتوں کے درمیان قرض دینے والے سرمایہ دار کا وہ منافع جو تمام زمانوں میں کیساں رہے نہ انصاف ہے اور نہ معاشیات کے اصولوں ہی کے لحاظ سے اس کو کسی طرح درست اور اجتماعی خوشحالی میں مددگار ثابت کیا جاسکتا ہے۔ کیا دنیا میں کہیں آپ نے یہ سنا ہے کہ کوئی کمپنی جو ضیاء ضرورت میں سے کسی چیز کی فراہمی کا ٹھیکہ لے رہی ہو، یہ معاہدہ کرے کہ وہ آٹھ تیس سال یا بیس سال تک یہ چیز اسی قیمت پر خریدار کو مہیا کرتی رہے گی؟ اگر یہ کسی لمبی مدت کے سودے میں ممکن نہیں ہے، تو آخر صرف سودی قرض دینے والا سرمایہ دار ہی وہ انوکھا سوداگر کیوں ہو جو برہمابری کی مدت کے لئے اپنے قرض کی قیمت بڑھائی گئی اور وہی وصول کرتا چلا جائے۔

حکومتوں کے ملکی قرضے | اب ان قرضوں کو سمجھئے جو حکومتیں اپنی ضروریات اور مصالح کے لئے خود اپنے ملک کے لوگوں سے لیتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم وہ ہے جو غیر نفع آور کاموں کے لئے لی جاتی ہے، اور دوسری قسم وہ جو نفع آور کاموں میں لگائی جاتی ہے۔

پہلی قسم کے قرضوں پر سود اپنی نوعیت کے لحاظ سے وہی معنی رکھتا ہے جو اہل حاجت افراد کے ذاتی قرضوں پر سود کی نوعیت ہے۔ بلکہ درحقیقت یہ اس سے بھی بدتر چیز ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص جس کو ایک معاشرے نے جہنم دیا، پالا، پوسا، اس قابل بنایا کہ وہ کچھ کماسکے، خطرات سے اسکی حفاظت کی، نقصانات سے اسکو بچایا، اور معاشرے کے تمدنی و سیاسی اور معاشی نظام نے اُن تمام خدمات کا انتظام کیا جن کی بدولت وہ اس سے بیٹھا، پینا، کام دیا، چلا رہا ہے، وہ اُسی معاشرے کو اُن ضرورتوں کے موقع پر جن میں کسی مالی نفع کا کوئی سوال نہیں ہے اور جن کے پورا ہونے سے سب لوگوں کے ساتھ خود اس شخص کا

مفاد بھی وابستہ ہے، بلا سود و رپیہ قرض دینے پر آمادہ نہیں ہوتا اور خود اپنے مرئی معاشرے سے کہتا ہے کہ تو چاہے اس روپے سے کوئی نفع کما لے یا نہ کما لے، مگر میں تو اپنی رقم کا اتنا معاوضہ ملانا ضرور دیتا رہوں گا۔ یہ معاملہ اُس وقت اور بھی زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جب کہ قوم کو جنگ پیش آئے اور سب کے ساتھ خود اس سرمایہ دار فرزند قوم کی اپنی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا سوال بھی درپیش ہو۔ ایسے موقع پر تو کچھ بھی قومی خزانے سے خرچ ہوتا ہے وہ کسی کاروبار میں نہیں لگتا بلکہ آگ میں پھونک دیا جاتا ہے۔ اس میں منافع کا کیا سوال؟ اور یہ خرچ اُس کام میں ہوتا ہے جس کی کامیابی دنا کمانی پر ساری قوم کے ساتھ نزد اس شخص کی اپنی سب زریعت کا بھی انحصار ہے۔ اور اس کام میں قوم کے دوسرے لوگ اپنی جانیں اور وقت اور محنت سب کچھ کھینچ رہے ہوتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی یہ سوال نہیں کرتا کہ قومی دفاع کے لئے جو حصہ میں ادا کر رہا ہوں اس پر کتنا منافع سالانہ مجھ کو ملتا رہے گا۔ مگر پوری قوم میں سے صرف ایک سرمایہ دار ہی ایسا کہتا ہے جو اپنا مال دینے سے پہلے یہ شرط کرتا ہے کہ مجھے ہر روز روپے پر تنہا منافع ہر سال ملنا چاہیے اور میرا یہ منافع اس وقت تک ملے جانا چاہیے جب تک ساری قوم ان کے میری دی ہوئی اصل رقم مجھے واپس نہ کر دے خواہ ۱۰۰ میں ایک سدی ہی کیوں نہ لگ جائے، اور میرا یہ منافع اُن لوگوں کی جیبوں میں سے بھی آنا پنا بیٹے جنہوں نے ملک اور قوم کی اور خود میری حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ پاؤں کھوئے، اپنے بیٹے، باپ، بھائی یا شوہر ہر مفت کھو دیئے!

سوال یہ ہے کہ ایک معاشرے میں ایسا لہجہ آیا اس کا نتیجہ ہے کہ اسے سود کھلا کر پالا جائے یا اس کا کر سے اُس نہ ہر گئی گویاں کھلائی جائیں جس سے کہتے مارے جاتے ہیں؟

یہ ہے دوسری قسم کے قرضے کہ ان کی ذمہ داری ان قرضوں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جو عام افراد

۱۔ اس موقع پر یہ معلوم کرنا محنت سے خالی نہ ہوگا کہ انگلستان کے باشندے آج تک اپنے سرمایہ داروں کو ان نجی قرضوں کا سود دیا کیے جا رہے ہیں جو اب سے سو سو برس پہلے اُن کے بزرگوں نے پولیس سے لڑنے کے لئے حاصل کئے تھے۔ اور امریکہ کے باشندے اُس رقم سے چوگنی رقم اب تک ادا کر چکے ہیں جو امریکن سول وار کے مصارف کے لئے ۱۸۶۱-۶۵ء میں قرض لی گئی تھی اور ابھی اُن کے ذمہ مزید ایک عرب ڈالر قریب اصل سود واجب الادا ہے!

اور ادارے کا رو بار سی اغراض کے لئے لیتے ہیں، لہذا ان پر بھی وہ سب اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو اوپر ہم نے کاروباری قرضوں کے سود پر کیئے ہیں عموماً حکومتیں نفع اور کاموں پر لگانے کے لئے لمبی مدت کے قرض لیتی ہیں۔ مگر کوئی حکومت بھی ایک مقرر شرح سود پر قرض لیتے وقت یہ نہیں جانتی کہ آئندہ بیس تیس سال کے دوران میں ملک کے اندر فی حالات اور دنیا کے بین الاقوامی معاملات کی رنگ و بھراکت کریں گے اور ان میں اس کام کی نفع آوری کا کیا حال رہے گا جس پر خرچ کرنے کے لئے وہ یہ سودی قرض لے رہی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ حکومت کے اندازے غلط نکلتے ہیں اور وہ کام شرح سود کے برابر بھی نفع نہیں دیتا کچھ اس قدر زیادہ۔ یہ ان بڑے اسباب میں سے ایک ہے جنکی وجہ سے حکومتیں مالی مشکلات میں مبتلا ہوتی ہیں اور ان کے لئے پچھلے ہی قرضوں کے اصل و سود ادا کرنے میں مشکل ہو جاتی ہیں کچھ کہ وہ مزید نفع آور تجاویز پر مزید سرمایہ لگا سکیں۔

علاوہ بریں یہاں بھی وہی صورت پیش آتی ہے جس کی طرف ہم پہلے کئی بار اشارہ کر چکے ہیں کہ بازار کی شرح سود ایک ایسی حد مقرر کر دیتی ہے جس سے کم نفع دینے والے کسی کام پر سرمایہ نہیں لگایا جاسکتا خواہ وہ کام پبلک کے لئے کتنا ہی ضروری اور مفید ہو۔ غیر آباد علاقوں کی آباد کاری، نجیر زمینوں کی درستی، خشک علاقوں میں آب پاشی کے انتظامات، دیہات میں سڑکوں اور روشنی اور حفظان صحت کا بندوبست، کم تنخواہیں پانے والے ملازموں کے لئے صحت بخش مکانات کی تعمیر اور ایسے ہی دوسرے کام اپنی جگہ چلبے کتنے ہی ضروری ہوں اور ان کے نہ ہونے سے جہاں تک اور قوم کا کتنا ہی نقصان ہو، مگر کوئی حکومت ان پر روپیہ صرف نہیں کر سکتی جب کہ ان سے اتنا نفع حاصل ہونے کی توقع نہ ہو جو رائج الوقت شرح سود کے برابر یا اس سے زیادہ ہو سکے۔

پھر اس قسم کے جن کاموں پر سرمایہ لگایا جاتا ہے ان کے معاملہ میں بھی حقیقی صورت حال کیا ہوتی ہے؟ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ حکومت اس کے سود کا بار عام باشندوں پر ڈال دیتی ہے، میکسوں کے ذریعہ سے ہر شخص کی جیب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ یہ سود نکالا جاتا ہے، اور سال کے سال لاکھوں روپے کی قیمتیں جمع کر کے سرمایہ کو کو مدد تھامے دراز تک پہنچائی جاتی رہتی ہیں۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے کہ ہر گھر کے سرمایہ سے آب پاشی کی ایک بڑی اسکیم عمل میں لائی جاتی ہے، اور یہ سرمایہ ۶ فی صدی سالانہ شرح پر عین کیا جاتا ہے۔ اس حساب سے حکومت کو ہر سال ۳۰ لاکھ روپیہ سود ادا کرنا ہوگا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حکومت اتنی بڑی رقم کہیں سے زمین کھود کر نہیں نکالیگی،

بلکہ اس کا بار اُن زمینداروں پر ڈالے گی جو آب پاشی کے اس منصوبے سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ہر زمیندار پر جو آبیا نہ لگایا جائے گا اس میں ایک حصہ لازماً اس سود کی مدد کا بھی ہوگا۔ اور زمیندار خود بھی یہ سود اپنی گرفت میں نہیں دے گا بلکہ وہ اس کا بار غلے کی قیمت پر ڈالے گا۔ اس طرح یہ سود بالواسطہ ہر اس شخص سے وصول کیا جائے گا جو اس غلے کی روٹی کھائے گا۔ ایک ایک غریب اور فاقہ کش آدمی کی روٹی میں سے لازماً ایک ایک ٹکڑا اٹوا جائے گا اور اُن سرمایہ داروں کے پیٹ میں ڈالا جائے گا جنہوں نے ۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ جو اس منصوبہ کے لئے قرض دیا تھا۔ اگر حکومت کو یہ قرض ادا کرتے کرتے ۵۰ برس لگ جائیں تو وہ غریبوں سے چندہ جمع کر کے امیروں کی مدد کرنے کا یہ فریضہ نصف صدی تک برابر انجام دیتی چلی جائے گی، اور اس سارے معاملہ میں خود اس کی حیثیت مہاجن کے منیم جی سے کچھ بہت زیادہ مختلف نہ ہوگی۔

یہ عمل اختیامی حیثیت میں دولت کے بہاؤ کو ناداروں سے مالداروں کی طرف پھیر دیتا ہے حالانکہ جماعت کی فلاح کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مالداروں سے ناداروں کی طرف جاری ہو۔ یہ خرابی صرف اسی سود میں نہیں ہے جو حکومتیں نفع اور قرضوں پر ادا کرتی ہیں بلکہ اُن سارے سودی معاملات میں ہے جو تمام کاروباری آدمی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی تاجر یا صنعت کار زمیندار اپنی گھر سے وہ سود ادا نہیں کرتا جو اسے سرمایہ دار کو دینا ہوتا ہے۔ وہ سب اس بار کو اپنے اپنے مال کی قیمتوں پر ڈالتے ہیں اور اس طرح عام لوگوں سے پیسہ پیسہ چندہ اکٹھا کر کے لکھ پتیوں اور کروڑ پتیوں کی جھولی میں پھینکتے رہتے ہیں۔ اس اوندھے نظام میں سب سے زیادہ مددگار محترم ملک کا سب سے بڑا دولت مند سا ہو کار ہے، اور اس کی مدد کا فرض سب سے بڑھ کر جس شخص پر نازل ہوتا ہے وہ ملک کا وہ باشندہ ہے جو دن بھر اپنا خون پسینہ ایک کر کے ڈیٹھ روپیہ کما کر لائے اور پھر بھی اپنے نیم فاقہ کش بال بچوں کے لئے چٹنی اور روٹی کا انتظام کرنا اس پر حرام ہو جب تک کہ پہلے وہ اس چٹنی اور روٹی میں سے اپنے ملک کے سب سے بڑے قابل رحم "کرڈرپتی" کا حق نہ نکال دے۔

حکومتوں کے بیرونی قرضے | آخری مدائن قرضوں کی ہے جو حکومتیں اپنے ملک سے باہر کے ساہوکاروں سے لیتی ہیں اس قسم کے قرض بالعموم بہت بڑی بڑی قوموں کے لئے ہوتے ہیں جن کی مقدار کروڑوں سے گذر کر سب اوقات اربوں اور کھربوں تک پہنچ جاتی ہے۔ حکومتیں ایسے قرضے زیادہ تر اُن حالات میں لیتی ہیں جب اُن کے ملک پر

غیر معمولی مشکلات اور مصائب کا هجوم ہوتا ہے اور خود ملک کے مالی ذرائع ان سے مددہ بڑھانے کے لئے کافی نہیں ہوتے۔ اور کبھی وہ اس لالچ میں بھی اس تدبیر کی طرف رجوع کرتی ہیں کہ بڑا سرمایہ لے کر تعمیری کاموں پر لگانے سے ان کے وسائل جلدی ترقی کر جائیں گے۔ ان قرضوں کی شرح سود ۶-۷ فی صدی سے لے کر ۹-۱۰ فی صدی تک ہوتی ہے اور اس شرح پر ان لوگوں کو روپے کا سود سود ہی کروڑوں روپے ہوتا ہے۔ بین الاقوامی بازار زر کے سیٹھ اور ساہوکار اپنی اپنی حکومتوں کو بیچ میں ڈال کر ان کی وساطت سے یہ سرمایہ قرض دیتے ہیں اور اس کے لئے ضمانت کے طور پر قرض لینے والی حکومت کے محاصل میں سے کسی محصول مثلاً چٹنی، تمباکو، شکر، نمک یا کسی اور ملکی آمدنی کو بہن رکھ لیتے ہیں۔

اس نوعیت کے سودی قرضے ان تمام خرابیوں کے حامل ہوتے ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کرتے ہیں شخصی حاجات کے قرض اور کاروباری قرض اور حکومتوں کے اندرونی قرض اپنے اندر کوئی نقصان ایسا نہیں کھتے جو ان بین الاقوامی قرضوں پر سود لگنے کے طریقہ میں موجود نہ ہو۔ اس لئے ان خرابیوں اور نقصانات کا تو اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر قرض کی یہ قسم ان سب کے ساتھ ایک اور خرابی بھی اپنے اندر رکھتی ہے جو ان سب سے زیادہ خوفناک ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان قرضوں کی بدولت پوری پوری قوموں کی مالی حیثیت خراب اور معاشی حالت تباہ ہو جاتی ہے جس کا نہایت برا اثر ساری دنیا کی معاشی حالت پر پڑتا ہے، پھر ان کی بدولت قوموں میں عداوت اور دشمنی کے بیج پڑتے ہیں، اور آخر کار دشمنی کی بدولت آفت سید قوموں کے جو ان دل برداشتہ ہو کر انتہا پسندانہ سیاسی و تمدنی اور معاشی فلسفوں کو قبول کرنے لگتے ہیں اور اپنے قومی مصائب کا حل ایک خارجی انقلاب یا ایک تباہی خیز جنگ میں تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس قوم کے مالی ذرائع پہلے ہی اپنی مشکلات یا اپنی ضرورتوں کو رفع کرنے کے لئے کافی نہ تھے، وہ آخر کس طرح اس قابل ہو سکتی ہے کہ ہر سال پچاس لاکھ لاکھ یا کروڑوں کروڑ روپیہ تو صرف سود میں ادا کرے اور پھر اس کے علاوہ اصل قرض کی اقساط بھی دیتی رہے۔ خصوصاً جب کہ اس کے ذرائع آمدنی میں سے کسی ایک بڑے اور زیادہ نفع بخش ذریعے کو تاک کر آپ نے پہلے ہی کھول کر لیا ہو اور اس کی چا پہلے سے بھی زیادہ تنگ ہو کر رہ گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جو قوم کوئی بڑی رقم اس طور پر سودی قرض سے لیتی

ہے، بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ اسکی وہ مشکلات رفع ہو جائیں جن سے بچنے کے لئے اس نے یہ قرض لیا تھا۔ اس کے برعکس اکثر یہی قرض اسکی مشکلات میں مزید اضافہ کا موجب ہو جاتا ہے۔ قرض کی اقساط اور سود ادا کرنے کے لئے اسے اپنے افراد پر بہت زیادہ ٹیکس لگانا پڑتا ہے اور مصارف میں بہت زیادہ کمی کر دینی ہوتی ہے۔ اس سے ایک طرف قوم کے عوام میں بے چینی بڑھتی ہے، کیونکہ جتنا وہ خرچ کرتے ہیں اس کا بدل ان کو اس خرچ کے ہم وزن نہیں ملتا۔ اور دوسری طرف اپنے ملک کے لوگوں پر اس قدر زیادہ بار ڈال دینے پر بھی حکومت کے لئے قرض کی اقساط اور سود باقاعدہ ادا کرتے رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر جب قرض دار ملک کی طرف سے ادائیگی میں سلسل کو تا ہی صادر ہونے لگتی ہے تو بیرونی قرض خواہ اس پر الزام لگانا شروع کرتے ہیں کہ یہ بے ایمان ملک ہے، ہمارا روپیہ کھا جانا چاہتا ہے۔ ان کے اشاروں پر ان کے قومی اخبارات اس غریب ملک پر چوٹیں کرنے لگتے ہیں۔ پھر ان کی حکومت بیچ میں دخل انداز ہوتی ہے اور اپنے سرمایہ داروں کے حق میں اس پر صرف سیاسی دباؤ ہی ڈالنے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اسکی مشکلات کا ناجائز فائدہ بھی اٹھانا چاہتی ہے۔ قرض دار ملک کی حکومت اس پھندے سے بچنے کے لئے کوشش کرتی ہے کہ ٹیکسوں میں مزید اضافہ اور مصارف میں مزید تخفیف کے کسی طرح جلدی سے جلدی اس سے چھٹکارا پائے۔ مگر اس کا اثر باشندگان ملک پر یہ پڑتا ہے کہ پیہم روز افزوں مالی بار اور معاشی تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے ان کے مزاج میں تلخی آجاتی ہے، بیرونی قرض خواہ کی چوٹوں اور سیاسی دباؤ پڑاؤ زیادہ چڑھ جاتے ہیں، اپنے ملک کے اعتدال پسند بدبروں پر ان کا غصہ بھڑک اٹھتا ہے اور معاملہ فہم لوگوں کو چھوڑ کر وہ ان اتہام پسند جواریوں کے پیچھے چل پڑتے ہیں جو سارے قرضوں سے بیک جنبش زبان بری الذمہ ہو کر خم ٹھینک میدان میں آکھڑے ہوتے ہیں اور لٹکار کر کہتے ہیں کہ جس میں نقصان

ہو وہ ہم سے اپنے مطالبات منوالے۔

یہاں پہنچ کر سود کی شرانگیزی و فتنہ پرورازی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ کیا اس پر بھی کوئی صاحب عقل و ہوش آدمی یہ ماننے میں تائب کر سکتا ہے کہ سود ایک ایسی برائی ہے جسے قطعی حرام ہونا چاہیے؟ کیا اس کے یہ نقصانات اور نتائج دیکھ لینے کے بعد بھی کسی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں شک ہو سکتا ہے کہ

الر باسبعون جزءاً
 اليسر هان ينكم
 الرجل امه -
 (ابن ماجہ - بیہقی)

سود اتنا بڑا لگتا ہے کہ اسکو
 اگر ستر اجزاء میں تقسیم کیا جائے تو
 اس کا ایک ہلکے سے ہلکا جز اس
 گناہ کے برابر ہوگا کہ ایک آدمی اپنی
 ماں کے ساتھ زنا کرے۔

مسئلہ ملکیت زمین

- زمین کی شخصی ملکیت از روئے قرآن
- زمین کی شخصی ملکیت از روئے حدیث
- مزارعت کا مسئلہ
- اصلاح کے حدود اور طریقے

قیمت ایک روپیہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی